علامہ اقبال کے تصورِ تاریخ کے تشکیلی عناصر

نگار سجاد ظہیر *

کسی بھی دانشور اور مفکر کو تاریخ اور تاریخی عمل کے مطالعے سے مفر نہیں۔ انھیں دانشوری نصیب ہی اس وقت ہوتی ہے جب وہ معاشروں کے تمدنی تغیرات کی تاریخ کو سمجھنے لگتے ہیں۔ اقبال کو بھی تاریخ کی طرف توجہ دینی ہی تھی بلکہ انھوں نے قرآن اور دیگر علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کو سمجھنے میں سالہا سال لگا دیے جس کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں۔

> I have given 12 best part of my life to a careful study of Islam, its law and polity, its culture, its history and its literature. This constant contact with the spirit of Islam, as it unfolds itself in time has, I think, given me a kind of insight into its significance as a world fact"۔[۱]

اقبال کو مسلمانوں کی عظمت رفتہ، ان کی ملی زندگی کے مختلف دھاروں کے مدوجزر کی روئداد، سیاست اسلامیہ اور فکر اسلامی کے نشوارتقاء کی تاریخ سے اور قوموں کے عروج وزوال کے محرکات کی تفہیم کے عمل سے جو گہری دلچسپی اور وابستگی تھی، اس کی بدولت ناگزیر تھا کہ ان کے ہاں تاریخ کے بارے میں ایک مخصوص رویہ پیدا ہو جائے۔ اقبال کی نظم ونثر میں ان کا یہ اندازِ نظر ایسا مربوط اور مسلسل ہے کہ ہم اسے بجا طور پر ان کا تصور تاریخ یا فلسفہ تاریخ کہہ سکتے ہیں ۲۔ اقبال نے ملی شعور کی بیداری اور اجتماعی شیرازہ بندی میں مطالعہ تاریخ کو ضروری قرار دیا۔ رموزِ بے خودی ۳ میں کہتے ہیں:

قوم روشن از سوادِ سرگزشت — خود شناس آمد ز یاد سرگزشت
سرگزشتِ او گر از یادش رود — باز اندر نیستی گم می شود
نسخہ بودِ ترا اے ہوش مند — ربط ایام آمدہ شیرازہ بند
ربط ایام است مارا پیرہن — سوزنش حفظِ روایاتِ کہن
چیست تاریخ اے ز خود بیگانہ — داستانے؟ قصۂ؟ افسانۂ؟
ایں ترا از خویشتن آگہ کند — آشنائے کار و مردِ رہ کند
روح را سرمایہ تاب است ایں — جسمِ ملت را چو اعصاب است ایں
ہمچو خنجر برفسانت می زند — باز بر روئے جہانت می زند
وہ چہ سازِ جاں نگار و دل پذیر — نغمہ ہائے رفتہ در تارش اسیر

* سابق پروفیسر وصدر، شعبۂ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی، مقیم کراچی

شعلۂ افسردہ در سوزش نگر دوش در آغوش امروزش نگر
شمع او بخت امم را کوکب است روشن از وے امشب وہم دیشب است
چشمِ پرکارے کہ بیند رفتہ را پیش تو باز آفریند رفتہ را
بادۂ صدسالہ در مینائے او مستی پارینہ در صہبائے او
صید گیرے کو بدام اندر کشید طائرے کز بوستانِ ما پرید
ضبط کن تاریخ را پائندہ شو از نفس ہائے رمیدہ زند شو
دوش را پیوند با امروز کن زندگی را مرغِ دست آموز کن
رشتہ ایام را آور بدست ورنہ گردی روز کوروشب پرست
سرزند از ماضی تو حالِ تو خیزد از حالِ تو استقبال تو
مشکن از خواہی حیاتِ لازوال رشتۂ ماضی ز استقبال و حال
موج ادراکِ تسلسل زندگی است مے کشاں را شورِ قُلقُل زندگی است

ترجمہ: ہر قوم اپنے ماضی کی تاریخ کے مطالعہ سے خودشناسی کا شعور حاصل کرتی ہے۔ اگر کوئی قوم اپنے ماضی کو بھلا دے تو وہ خود قصہ ماضی بن جاتی ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل کا رابطہ ہی زندگی کے اوراق کی شیرازہ بندی کرتا ہے اور ملی روایات کی حفاظت ہی ملت کے وجود کو برقرار رکھتی ہے۔ تاریخ کیا ہے؟ کیا یہ محض کوئی داستان یا قصہ یا افسانہ ہے؟ نہیں یہ تو خود آگاہی کا ذریعہ ہے۔ ملت اسی شعور کی قوت سے قائم رہتی ہے۔ اس کے ساز میں ماضی کے تمام نغمات محفوظ رہتے ہیں۔ اپنی تاریخ کی حفاظت کرنی چاہیے، انفاس رفتہ سے زندگی حاصل ہوسکتی ہے۔ ماضی ہمارے حال کو جنم دیتا ہے اور حال مستقبل کو معرض وجود میں لاتا ہے۔ ملت کو اپنی بقا کے لیے اپنا رشتہ ماضی، حال اور مستقبل سے ہرگز منقطع نہیں کرنا چاہیے۔ ایام کے رشتے کو ہاتھ میں لے لے ورنہ تو دن کا اندھا اور رات کا پجاری بن جائے گا۔ اگر تو حیات جاویداں کا خواہاں ہے تو مستقبل اور حال سے ماضی کا رشتہ نہ توڑ۔ تسلسل ادراک کی موج ہی میں بقا ہے، مے کشوں کے لیے شور قلقل ہی میں زندگی ہے۔

اقبال سمجھتے تھے کہ تاریخ ہمیں اجتماعی زندگی کو بہتر صورت میں منظم اور مرتب کرنے کی راہ سجھاتی ہے۔ اسلامی تاریخ کے واقعات و حادثات اور اس کے آثار و روایات کو انھوں نے بکثرت پیش کیا ہے، جس سے ان کا مقصد مسلمانوں میں اپنے شاندار ماضی کا شعور بیدار کرنا تھا۔ انیسویں صدی میں برصغیر میں استعمار کی ایک خاص کوشش یہ رہی کہ مسلمانوں کی تاریخ کو مسخ کیا جائے، ان کی قابل فخر سیاسی، دینی اور تمدنی شخصیات کے تابناک چہروں کو غبار آلود کیا جائے۔ مستشرقین کی تحقیقات کا ایک سیاسی مقصد مسلمانوں کو اپنے روشن اور شاندار ماضی سے منحرف کرنا تھا۔ اس صورت حال کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کا مضمون ۱۹۲۳ء سے بی اے کے نصاب میں شامل چلا آرہا تھا، ۱۹۳۲ء میں جب پروفیسر جے۔ ایف۔ بروس تاریخ کے پروفیسر کی حیثیت سے یونیورسٹی میں آئے تو انھوں نے

ہندوؤں کے زیر اثر سینٹ میں یہ تجویز پیش کی کہ اسلامی تاریخ کو بی اے پاس کے کورس سے خارج کر دیا جائے یہ تجویز ایک رائے کی اکثریت سے منظور ہوگئی۔ مسلمانان پنجاب نے متعدد جلسے کر کے اس فیصلے کی سخت مذمت کی اسی سلسلہ میں ۱۱ر جون ۱۹۳۲ء کو ایک جلسہ بیرون موچی دروازہ زیر اہتمام مسلم انسٹیٹیوٹ منعقد ہوا جس کی صدارت علامہ اقبال نے کی۔ خطبہ صدارت میں علامہ اقبال نے پروفیسر بروس کے استدلال کو رد کرتے ہوئے کہا ''۔۔۔ان کا (بروس کا) استدلال یہ ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو ہندوستان کی تاریخ پڑھنی چاہیے، میرے نزدیک یہ دعویٰ غلط ہے۔۔۔واقعہ یہ ہے کہ تاریخ اجتماعی حیثیت سے انسانی روح کی ایک حرکت ہے، روح انسانی کا کوئی ماحول نہیں، بلکہ تمام عالم اس کا ماحول ہے اگر اسے کسی قوم کی ملکیت سمجھا جائے تو یہ تنگ نظری کا ثبوت ہے''[۴]۔

اسی خطبہ صدارت میں علامہ اقبال نے اٹلی میں پرنس کیتانی (م ۱۹۳۶ء)[۵] سے ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اسلامی تاریخ کا بڑا دل دادہ ہے اور اس پر اس نے زر کثیر خرچ کیا ہے، جب اقبال نے اس سے پوچھا کہ انھیں اسلامی تاریخ سے اتنی دلچسپی کیوں ہے تو انھوں نے کہا کہ اسلامی تاریخ عورتوں کو مرد بنا دیتی ہے[۶]۔ اس سے قبل نومبر ۱۹۲۹ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء کو مخاطب کر کے کہا تھا ''۔۔۔ایک دوسری بات جس پر میں زور دینا چاہتا ہوں وہ ہمارا انکشافِ ماضی ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو صرف اپنے ماضی سے محبت کرتے ہیں میں مستقبل کا معتقد ہوں مگر ماضی کی ضرورت مجھے اس لیے ہے کہ میں حال کو سمجھ سکوں''[۷]۔

اقبال تاریخ کی طاقت کو سمجھتے تھے، وہ فطرت اور تاریخ دونوں کو علم کے ذرائع سمجھتے تھے۔ اقبال کہتے ہیں:

> But inner experience is only one source of human knowledge. According to the Quran there are two other sources of knowledge____ Nature and History: and it is in tapping these sources of knowledge that the spirit of Islam is seen at its best[۸].

یعنی باطنی تجربہ انسانی علم کا محض ایک ذریعہ ہے، قرآن حکیم کے مطابق علم کے دو دیگر ذرائع بھی موجود ہیں، فطرت اور تاریخ۔ ان دو ذرائع علم سے استفادہ کی بنا پر ہی اسلام کی روح اپنے اعلیٰ مقام پر دکھائی دیتی رہی ہے۔ اقبال فطرت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''۔۔۔فرض کیجیے حادثہ الف رونما ہوتا ہے اور یہ حادثہ کسی دوسرے حادثے ب کی علت ہے تو بحیثیت معمول حادثہ ب کا ظہور گویا پہلے سے متعین ہو چکا ہے لہٰذا حادثہ ب وقوع میں آئے گا اور ضرور آئے گا یہ فطرت (Nature) ہے، نیچر کی کارفرمائی رک سکتی ہے اور نہ اسے کوئی روک سکتا ہے۔ نیچر اپنا کام کرتا رہے گا۔ حوادث کی ترتیب علت اور معمول کی پابند ہے اور اس ترتیب میں ردوبدل ناممکن ہے۔ یہ گویا امر ربی ہے''[۹]۔ چناں چہ اقبال سمجھتے ہیں کہ سورج، چاند، سایوں کے گھٹنے بڑھنے، دن و رات کے آنے جانے میں، انسان کی رنگ، نسل اور زبانوں کے تنوع اور مختلف اقوام کے عروج و زوال اور دنوں کے الٹ پھیر میں اہل فکر کے لیے بڑی نشانیاں ہیں[۱۰]۔

اقبال کے تصور تاریخ کے تشکیلی عناصر یہ ہیں:

۱۔ قرآن کا تصورِ تاریخ
۲۔ مسلم مورخین خصوصاً البیرونی اور ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ
۳۔ اہل مغرب خصوصاً اسپینگلر کا نظریہ تاریخ

قرآن کا تصورِ تاریخ:

جہاں تک قرآن کے نظریہ تاریخ کا معاملہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں تاریخی واقعات کے بیان کا ایک طویل سلسلہ ہے جن کا تعلق امم سابقہ سے بھی ہے اور ایام العرب اور سیرت نبوی سے بھی، قرآن کا نظریہ تاریخ ایک جداگانہ اور بسیط موضوع ہے جس کا لب لباب یوں پیش کیا جاسکتا ہے:

> کائنات اور اس کے معاملات غیر منظم اور حادثاتی نہیں بلکہ ان کے پیچھے ایک قانون الٰہی موجود ہے۔ ہر قوم کے لیے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے۔ ولکل امۃ اجل [11] قرآن میں امم سابقہ کے تذکروں پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قومیں طبیعی اسباب کی وجہ سے تباہ نہیں ہوئیں بلکہ جب وہ اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے طبیعی قوانین (Physical Laws) کو ان کے خلاف استعمال کر کے انھیں نیست و نابود کر دیا لہٰذا قوموں کو کبھی ہولناک زلزلے سے تباہ کیا گیا جیسا کہ ثمود کے معاملے میں ہوا۔ کبھی سمندری طوفان آیا جیسا کہ قوم نوح کے معاملے میں ہوا اور کبھی تند و تیز ہواؤں نے کسی قوم کا صفایا کر دیا جیسا کہ قوم عاد کے ساتھ ہوا۔ بظاہر یہ قومیں طبیعی اسباب (Physical Causes) کی وجہ سے تباہ ہوئیں لیکن درحقیقت ان طبیعی عوامل کو اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوم کے مقابلے میں استعمال کیا تھا۔ گویا قرآن یہ نظریہ دیتا ہے کہ انسانی تاریخ میں اقوام کا عروج و زوال ناتو اتفاقی و حادثاتی ہیں اور نا طبیعی وجوہات کا نتیجہ، بلکہ ان کے اسباب اخلاقی تھے۔

قرآن فرد کی اہمیت کا قائل ہے، وہ انسان کو ایسی جداگانہ اور ممتاز حیثیت دیتا ہے، جس کا تصوّر، دوسرے مکاتبِ فکر میں نہیں۔ وہ انسان کو اس دنیا میں خدا کا نائب اور خلیفہ سمجھتا ہے۔ جسے علم عطا کیا گیا اور اسی بنیاد پر اسے مسجود ملائک بنایا گیا، اسے ارادے کی آزادی دی گئی، اسی ارادے کی آزادی نے آدم کو جنت سے نکلوایا اور اسی ارادے کی آزادی کی وجہ سے اسے جواب طلب بنایا گیا۔ وہ انسان جسے منصب نیابت و خلافت حاصل ہو ''بندہ مجبور'' ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اسلامی اور مغربی فلسفے کی راہیں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں۔

اقبال کا نظریہ تاریخ بہت حد تک قرآن کے تصورِ تاریخ کی تعبیر و تفسیر ہے۔ تاریخ کے بارے میں ان کا سب سے بڑا دعویٰ کہ یہ استقرائی عمل کا بہت بڑا ماخذ ہے، قرآن کے اصول تاریخ سے مستنبط ہے، اسے اصطلاحاً تاریخی استقراء (Historical Induction) کہہ سکتے ہیں، اسے منطقی استقراء (Logical Induction) کی ایک عملی صورت سمجھنا چاہیے۔ دونوں سے مراد یہ ہے کہ کسی موضوع سے متعلقہ حقائق کو اس طرح مرتب کیا جائے اور ان کی اس طرح درجہ بندی کی جائے کہ ان سے کسی نتیجے کا استخراج کیا جاسکے [12]۔

اقبال کے نظریات و افکار کی تشکیل میں مطالعہ تاریخ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، کیونکہ تاریخ ہمیں مثالوں کے ذریعہ قوموں کے عروج و زوال کا فلسفہ پڑھاتی ہے اور ہم ماضی سے اپنے حال و مستقبل کی ترتیب و تہذیب میں استفادہ کرتے ہیں، قرآن نے بھی قدیم اقوام کے احوال و آثار اسی مواعظت اور عبرت کے لیے بیان کیے ہیں محض داستان طرازی قرآن کا مقصود نہیں، تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس کے واقعات میں ایک منطقی تسلسل نظر آتا ہے جس سے اقبال منطقی استقراء کے ذریعے نتائج کا استخراج کرتے ہیں [۱۳]۔

اقبال قرآن کے اس تصور تاریخ کی تائید کرتے ہوئے قصص القرآن اور ایام اللہ کی فلسفیانہ تعبیر کرتے ہیں ساتھ ہی ساتھ وہ ایک امکان کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں:

> The Quranic method of complete or partial transformation of legends in order to besoul them with new ideas, and thus to adopt them to the advancing spirit of time, is an important point which has nearly always been overlooked both by Muslim and non-Muslim students of Islam. The object of the Quran in dealing with these legends is seldom historical; it nearly always aims at giving them a universal moral or philosphical import. And it achieves this object by omitting the names of persons and localities which tend to limit the meaning of a legend by giving it the color of a specific historical event, and also by deleting details which appear to belong to a different order of feeling[۱۴].

یعنی قرآن حکیم کا روایات کو جزوی یا کلی طور پر تبدیل کرنے کا طریق کار تا کہ اس میں نئے معنی پیدا ہو جائیں اور یوں اسے روح عصر کے بالکل مطابق بنا دیا جائے، ایک ایسی حقیقت ہے جس کو اسلام کے مسلمان اور غیر مسلم طالب علموں نے ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔ ان داستانوں کے بیان سے قرآن کا مقصد تاریخی واقعات کا بیان نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود ان کی افاقی، اخلاقی اور فلسفیانہ اہمیت کو اجاگر کرنا ہوتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قرآن ان واقعات سے افراد و مقامات کے نام حذف کر دیتا ہے کیوں کہ وہ انھیں معانی کے لحاظ سے محدود کرنے کا باعث بن سکتے ہیں اور ان کو محض تاریخی واقعات تک محدود کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن ان تفصیلات کو بھی حذف کر دیتا ہے جو ان واقعات کے بارے میں ہمارے محسوسات کو کسی اور سمت لے جا سکتی ہیں۔

علامہ اقبال اپنے پانچویں خطبے The Spirit of Muslim Culture میں قرآن کے نظریہ تاریخ کے حوالے سے جو بنیادی باتیں کرتے ہیں وہ لائق فکر ہیں۔ جن نتائج تک وہ پہنچے ہیں وہ یہ ہیں:

☆ قرآن میں تاریخ کو ایام اللہ سے تعبیر کیا ہے اور اسے علم کا ایک سرچشمہ قرار دیا ہے۔

☆ اقوام و امم کا محاسبہ انفرادی اور اجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے۔

☆ تاریخ اس بات پر استناد کرتی ہے کہ اقوام کو ان کی بداعمالیوں کی سزا یہیں ملتی ہے جب کہ افراد کے لیے روز جزا مقرر ہے۔

☆ ہر قوم کے لیے اللہ کی طرف سے ایک مہلت عمل ہے۔ ولکل امۃ اجل (۷:۳۴) اس آیت میں قوموں کے مقررہ وقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جو انسانی معاشروں کو بطور عضویہ لینے کے سائنسی رجحان کے غمازی کرتی ہے۔

☆ قرآن تجربے اور مشاہدے کی طرف رجوع کی ہدایت کرتا ہے۔

☆ قرآن نے تاریخی تنقید کا یہ بنیادی اصول قائم کیا ہے کہ بطور ایک علم، تاریخ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کا مواد جن واقعات سے تیار کیا جاتا ہے ہمیں ان کی صحت کا یقین ہو، لہٰذا تاریخی تنقید (Historical Critisim) کا پہلا اصول یہ ہوگا کہ راویوں کی سیرت اور کردار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہوتا کہ جس واقعہ کا وہ بیان کر رہے ہیں یا شہادت دے رہے ہیں اس پر یقین کیا جا سکے [۱۵]۔ قرآن کا ارشاد ہے یاایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباءٍ فتبینوا (۴۹:۶) یعنی اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمھارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلیا کرو۔ لہٰذا مسلمان راویانِ حدیث کے حوالے سے علم الرجال اور علم جرح و تعدیل کے بانی ہوئے، قانون شہادت کو وضع کیا اور حدیث و تاریخ کے ذخائر کو سائنسی بنیادیں فراہم کیں۔

☆ قرآن میں تاریخ کے دو بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) تمام انسانوں کی ابتدا ایک ہی اصل سے ہوئی ہے۔ (۲) زماں حقیقی ہے اور زندگی میں ایک مسلسل تخلیقی حرکت ہے [۱۶]۔

اس کے بعد اقبال کہتے ہیں:

> It is, therefore, a gross error to think that the Quran has no germs of a historical doctrine[۱۷]

فکری معاملات میں اقبال کے رجوع الی القرآن کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا ہے۔ شبیر احمد خان غوری اقبال کے تصورِ زمان کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور اسی حوالے سے ان کے تصورِ تاریخ پر بھی زد پڑتی ہے۔ شبیر غوری کے نزدیک زمان کو حقیقت سمجھنا قرآن کو نہ سمجھنے کے مترادف ہے [۱۸]۔ اسی طرح سید سراج الدین اسے اقبال کا ''فکری سہل ممتنع'' کہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں ''اقبال اپنے زمانے کے بہت بڑے دانشور ہیں لیکن ان کی شاعری میں یہ نکتہ ہے کہ وہ اپنی ساری فکری گہرائی کے باوجود ایک عام راسخ العقیدہ مسلمان کے بہت سے ذہنی ارتعاشات اپنے میں جذب کر لیتی ہے یہ گویا ایک طرح کا فکری سہل ممتنع ہے [۱۹]۔

میرا نہیں خیال کہ اقبال جیسے فلسفی کو فکری سہل ممتنع سے ملوث کیا جا سکتا ہے جب انھوں نے قرآن سے حق پالیا جس کی تائید ان کی فکر نے بھی کی تو اس کے اظہار کے لیے انھیں اپنے دل و دماغ سے جو جنگ کرنی پڑی اس کا تذکرہ انھوں نے خواجہ حسن نظامی کے نام اپنے ایک خط میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی ہو گیا تھا کیوں کہ فلسفۂ یورپ بحیثیت مجموعی وحدت الوجود کی طرف رخ کرتا ہے، مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا'' [۲۰]۔

مسلم مورخین کا نظریۂ تاریخ:

اقبال کے تصور تاریخ کی تشکیل میں ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ کا بھی بڑا حصہ ہے اگر چہ یہ مطالعہ انھوں نے مغربی دانشوروں کی تحریروں سے کیا۔ مغرب نے دو مسلمان مورخین کے فلسفیانہ افکار کو بڑی پذیرائی بخشی ہے جن میں ایک ابن مسکویہ [۲۱] ہے اور دوسرا ابن خلدون [۲۲]۔ اول الذکر خود بھی فلسفی تھا جب کہ آخر الذکر فلسفہ کو رد کرتا ہے تاہم اپنے مقدمے میں تاریخ کا ایک جامع تصور ضرور پیش کرتا ہے۔ اس نے اپنے مقدمے میں انسانی معاشروں کے حوالے سے انتہائی غور و فکر کیا ہے اور کئی پہلوؤں سے ان کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس نے اپنی قوت مشاہدہ اور تجربات کے حوالے سے لکھا ہے کیوں کہ جس وقت ابن خلدون مقدمہ تحریر کر رہا تھا اس کے پاس کوئی کتاب، عام یا حوالہ جاتی، موجود نہیں تھی۔ اس وقت وہ قلعہ سلامہ میں ایک طرح سے پناہ گزینی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اقبال کہتے ہیں:

> The Arab historian Ibn Khaldun who laid the foundation of modern scientific history, was the first to seriously approach the side of human psychology and reached what we now call the idea of the subliminal self[۲۳].

علامہ اقبال ابن خلدون کو ایک عظیم مورخ اور نفسیات انسانی کا ماہر خیال کرتے ہیں۔ کائنات کے حرکی تصور کی وکالت کرتے ہوئے وہ ابن مسکویہ کے نظریہ ارتقاء اور ابن خلدون کے نظریہ تاریخ سے تقویت حاصل کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ابن خلدون کا تصور تاریخ قرآن کے بہت قریب ہے [۲۴]۔ حالاں کہ مغرب نے ابن مسکویہ اور ابن خلدون کی Approach کو سیکولر سمجھا ہے۔ علامہ اقبال اپنے پانچویں خطبے میں ابن خلدون کے نظریہ تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں ''اس امر کا ایک نہایت گہرا احساس کہ زمانہ ایک حقیقت ہے اور زندگی کا یہ تصور کہ وہ عبارت ہے ایک مسلسل اور مستقل حرکت سے۔ زمانے کا یہی تصور ہے جو ابن خلدون کے نظریہ تاریخ میں ہماری دلچسپی کا خاص مرکز بن جاتا ہے اور اس لیے فلنٹ (Flint) بجا طور پر اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے وہ کہتا ہے افلاطون ہو یا ارسطو یا آئن سٹائن ان میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ رہے دوسرے تو ان کا ذکر ہی کیا، ان کا تو ان کے ساتھ نام بھی نہیں لیا جا سکتا [۲۵]۔

علامہ اقبال ابن خلدون کے تصور تاریخ میں اپنی دلچسپی کی بنیادی وجہ ابن خلدون کے اس تصور کو بتاتے ہیں جو اس نے تغیر کے باب میں قائم کیا۔ یہ تصور بڑا اہم ہے کیوں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تاریخ چونکہ ایک مسلسل حرکت ہے زمانے کے اندر، لہٰذا یہ ماننا لازم آتا ہے کہ اس کی نوعیت فی الواقع تخلیقی ہے اور یہ وہ حرکت نہیں جس کا راستہ پہلے سے متعین ہو [۲۶]۔ اگر چہ ابن خلدون مابعد الطبیعات کی جانب مخالفانہ رویہ رکھتا تھا مگر اس کے تصور زماں کی بدولت اقبال اسے برگساں (Bergson) کا پیش رو قرار دیتے ہیں [۲۷]۔ اقبال کے تجزیے کے مطابق ابن خلدون اس تصور زماں تک اپنے

علمی وتہذیبی ورثے کی بنا پر پہنچا۔ اس ورثے میں درج ذیل عناصر شامل تھے:

۱۔ قرآن کا یہ تصور کے تغیر، حقیقت کی علامتوں میں سے ہے۔
۲۔ اسلامی مابعد الطبیعات کا یہ رجحان کہ زمانہ یا وقت معروضی ہے۔
۳۔ ابن مسکویہ کا یہ نظریہ کہ زندگی عبارت ہے ایک ارتقائی حرکت سے۔
۴۔ البیرونی کا تصور فطرت، جس کے مطابق فطرت، عملِ تغیر کا نام ہے ۲۸۔

اقبال کے نزدیک ابن خلدون کا سب سے اہم کارنامہ اس کا تصور تاریخ اور تصور زماں ہے، جن کے توسط سے بالآخر قرآن کی روح، یونانی افکار پر مکمل فتح حاصل کر لیتی ہے۔ یونانیوں کے نزدیک زمانے کی یا تو کوئی حقیقت ہی نہیں تھی جیسا کہ زینو (Zeno) اور افلاطون (Plato) کا خیال تھا یا یہ کہ وہ ایک دائرہ میں حرکت کرتا رہتا ہے جیسا کہ ھراق لطوس (Heraclitus) اور رواقیین (Stoics) نے کہا، جو متحرک ہونے کے باوجود تخلیقی قرار نہیں دی جاسکتی۔ جب کہ ابن خلدون کا تصور تاریخ ہمیں جس وقت سے روشناس کرواتا ہے وہ ایک طرف تو حقیقی ہے اور دوسری طرف تخلیقی بھی ہے۔ اسی سبب علامہ اقبال ابن خلدون کو مسلم تہذیب کی بہترین مثال قرار دیتے ہیں ۲۹۔ ابن خلدون کے علاوہ ابن مسکویہ کے فلسفیانہ خیالات کا علامہ اقبال نے بڑے غور وفکر سے مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے اس کے فلسفہ اخلاقیات کا تو کئی جگہ ذکر کیا ہے لیکن اس کے فلسفہ تاریخ کا تذکرہ نہیں کرتے۔ ابن مسکویہ (م ۱۰۳۰ء) ادیب اور فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ مورخ بھی تھا۔ اس نے تاریخ کا مطالعہ فلسفیانہ نکتہ نظر سے کیا، عام طور پر ابن خلدون کو فلسفہ تاریخ کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن میری رائے میں یہ کلغی ابن مسکویہ کے تاج میں لگنی چاہیے۔ اس کے لیے کم سے کم یہ تین دلائل دیے جاسکتے ہیں۔

اولاً۔ ابن خلدون کو فلسفہ تاریخ کا بانی بھی سمجھا جاتا ہے اور اسی پر فلسفہ تاریخ کا عروج بھی بتایا جاتا ہے۔ یہ بات عقلاً وتجرباً درست نہیں کہ ایک بات کا جب آغاز ہو تو ساتھ ہی عروج بھی حاصل ہو جائے۔ ارتقائی عمل کے لیے گنجائش نکالنی ہوگی۔

ثانیاً۔ ابن مسکویہ کی واحد تاریخی تصنیف تجارب الامم وتعاقب الھمم کے چند منتشر خطی نسخے ہی بعض کتب خانوں میں محفوظ تھے یہ اس طرح شائع ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں نہیں پہنچی جس طرح ابن خلدون کا مقدمہ یا تاریخ پہنچی تھیں لہٰذا اہل علم ابن مسکویہ کی اس علمی کاوش سے پچھلی صدی ہی میں متعارف ہوئے جب تک ''بانی فلسفہ تاریخ'' کا تاج ابن خلدون کے سر پر سجایا جا چکا تھا۔

ثالثاً۔ اس حوالے سے ایک شہادت علامہ اقبال کے خطبات سے فراہم ہوتی ہے جب وہ ابن خلدون کے ذہن سازی میں البیرونی اور اس کے ہم عصر ابن مسکویہ کے افکار کا حصہ تسلیم کرتے ہیں ۳۰۔

اقبال جیسے کثیر المطالعہ دانشور سے ابن مسکویہ کی کتاب تجارب الھمم کیوں کر پوشیدہ رہ گئی اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس کتاب کا پورا نسخہ کہیں نہیں ملتا تھا۔ اطالوی پروفیسر کیتانی کو اس کی جستجو ہوئی تو انھوں نے ۱۹۰۶ء میں ڈاکٹر ہارویز کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ کتاب کی تلاش کریں چناں چہ انھوں نے کتب خانہ ایا صوفیا (استنبول، ترکی) میں اس کا ایک مکمل نسخہ پایا اور اس کے فوٹو لیے۔ اس کی پہلی جلد انہی فوٹو سے گب میموریل سیریز نے شائع کی۔ اس کی دیگر جلدیں کافی تاخیر سے شائع ہوئیں ۳۱۔

شبلی نعمانی اپنے ایک مضمون ''تجارب الامم ابن مسکویہ گب میموریل سیریز'' مطبوعہ ۲ر جون ۱۹۰۹ء میں اس کتاب کی اشاعت کی اطلاع اردو دان طبقے کو دیتے ہیں۔ تجارب الھمم کا ۵۰۵ھ کا لکھا ہوا نسخہ تھا جو دستیاب ہوا تھا، اصل نسخے کو فوٹو کے ذریعے شائع کیا۔ یہ کتاب بمقام لائڈن ۱۹۰۹ء میں چھاپی گئی ۳۲۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ کتاب تاخیر سے ہندوستان آئی ہوگی، اگر علامہ اقبال نے اسے دیکھا بھی ہوگا تو خطبات کی تصنیف و اجرا کے بعد دیکھا ہوگا ورنہ وہ فلسفہ تاریخ کے ضمن میں ابن مسکویہ کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔

اسی طرح اقبال، البیرونی ۳۳ (م ۱۰۴۸ء) کے بھی قدردان ہیں وہ پہلا شخص تھا جس نے تاریخی تحقیق کے اصول منضبط کیے تاکہ مبالغہ آمیز اور نادرست واقعات کا تعین کیا جا سکے۔ البیرونی کے نظریہ تاریخ کی بنیاد اس کا تصور زمان ہے جس کے مطابق زماں کی حرکت دائرے کی صورت رکھتی ہے، اس لحاظ سے زمان کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی، اس کے خیال میں ہر دائرے میں ایک آدم اور حوا کا وجود ہوتا ہے، البیرونی ان دائروں کی حد مقرر نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک مستقبل میں کئی دائروں کا امکان موجود ہے۔ البیرونی کا یہ تصور اقبال کے اپنے مسلسل حرکت اور تغیر کے دعوے سے قریب تر معلوم ہوتا ہے ماسوا اس کے کہ اقبال کے خیال میں زماں کی حرکت خط مستقیم کی شکل میں ہے۔ دوسری طرف البیرونی کے نظریات ابن خلدون سے مشابہ نظر آتے ہیں، اگرچہ ابن خلدون تہذیبوں کے سلسلے میں زماں کے محدود دائروں کا قائل ہے۔ اس کے علاوہ ابن خلدون وقت کی حرکت کو ارضی کائناتی قانون گردانتا ہے جب کہ البیرونی کے نزدیک اس کے اسباب سماوی ہیں ۳۴۔

البیرونی کے نزدیک تاریخ بادشاہوں کی کہانیوں کا نام نہیں بلکہ معاشروں کے رسوم، حالات اور تصورات کی نقاب کشائی ہے۔ اس سلسلے میں بھی وہ ابن خلدون کا پیش رو دکھائی دیتا ہے۔ وہ جابجا اپنے نتائج کے حق میں قرآنی آیات کا استعمال کرتا ہے اور حوادث زمانہ کو حکم الٰہی کا ظہور تصور کرتا ہے۔ علمی لحاظ سے وہ تاریخ کو عمرانیات کی کہانی کا ایک حصہ قرار دیتا ہے یہاں وہ ابن خلدون کا صحیح پیش رو محسوس ہوتا ہے اسی بنیاد پر اقبال البیرونی کو ابن خلدون کا مورث قرار دیتے ہیں ۳۵۔

اہل مغرب کا فلسفۂ تاریخ:

مغرب میں فلسفۂ تاریخ کا آغاز اٹھارویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اس حوالے سے جرمن فلسفیوں کا کام بہت اہم ہے۔ مثلاً ہرڈر (۱۷۴۴ء۔ ۱۸۰۳ء)، کانٹ (۱۷۲۴ء۔ ۱۸۰۴ء)، ہیگل (۱۷۷۰ء۔ ۱۸۳۱ء)، نیطشے (۱۸۴۴ء۔ ۱۹۰۰ء) اور اسپنگلر (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۳۶ء) اہم ہیں جنھوں نے فلسفۂ تاریخ کے حوالے سے اہم اضافے کیے۔ مغربی مفکرین کے باہمی اختلافات کے باوجود جس معاملے میں وہ ایک دوسرے کے ہم نوا ہیں وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اصل حقیقت صرف اجتماعیت ہے۔ انفرادیت ان کے خیال میں محض ایک سراب ہے۔ اسی نظریے کی بنیاد پر انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ سماج

ایک نامیہ (Organism) ہے جس میں فرد ایک خلیہ (Cell) کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ بیچارہ اسی رخ پر چل سکتا ہے جس طرف اجتماعیت اسے اجازت دے۔ اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ اسپنگلر ۳۶ (Spengler) نے اسی نظریے کو پیش کیا۔ ہیگل ۳۷ (Hegel) نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یہی کچھ کہا، اس کے نزدیک زندگی کی یہ ساری کشمکش اور پیکار روح مطلق ہی کے مظاہر ہیں، انسان اس ساری کشمکش میں محض ایک آلہ کار کی حیثیت سے کام کرتا ہے، اس کے عزائم، اس کی ضروریات، اس کے افکار غرض یہ کہ اس کی پوری زندگی کی تشکیل اور صورت بندی روح مطلق خود اپنی اغراض کی تکمیل کے لیے کرتی ہے۔ انسان اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ آزاد ہے اور جو کچھ کر رہا ہے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے کر رہا ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ انسان کی زندگی روح عالم (World Spirit) کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہے۔ یہی حال کارل مارکس ۳۸ کا ہے وہ انسان کو بندہ مجبور سمجھتا ہے۔ اس کا فلسفہ ہے کہ انسان حالات کی پیداوار ہے اور ان حالات کو بنانے میں اصل اور فیصلہ کن قوت معاشی ہے۔ انسان ان محرکات کے اشاروں پر چلنے پر مجبور ہے یہ محرکات جس رخ پر چاہیں اسے لے جاتے ہیں اور جن مقاصد کے لیے چاہیں اسے استعمال کرتے ہیں۔

جرمن مفکر تاریخ آسولڈ اسپینگلر (A.Spenglar) (۱۸۸۰ء۔۱۹۳۶ء) کا علامہ اقبال نے گہرا مطالعہ کیا جس زمانے میں علامہ اقبال یورپ میں تھے اس وقت وہاں اسپینگلر کے فلسفیانہ افکار کا بڑا چرچا تھا۔ اس کی کتاب (DER UNTERGANG DES OBERLANES) جس کا انگریزی ترجمہ The Decline of the West کے نام سے ہوا، ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی اور فوراً ہی زبردست مقبولیت حاصل کر لی۔ اس نے پوری دنیا کی تہذیبوں کی درجہ بندی کی اور اسلام کو مجوسی درجے (The Magian Soul) میں رکھا ہے۔ اقبال نے اپنے پانچویں خطبے The Spirit of Muslim Culture میں اسپینگلر کا رد کیا ہے اور یہ رد بڑا مدلل ہے۔ اسپینگلر کا موقف ہے کہ قومیں ایک دفعہ مر کر دوبارہ حیات تازہ سے ہم کنار نہیں ہوتیں۔ اقبال ملت اسلامیہ کو اس کلیہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ اسپینگلر نے تاریخ میں ارتقائی حرکت کو ماننے سے بہت حد تک انکار کیا ہے۔ اقبال تاریخ کو ایک مربوط، مسلسل ارتقائی اور تخلیقی حرکت تسلیم کرتے ہیں۔ اقوام کی باطنی زندگی اس ارتقائی اور تخلیقی حرکت کے ذریعے زمانہ میں متشکل ہوتی ہے اور تاریخ اپنے آپ کو اقوام کے اجتماعی اور تخلیقی اعمال کی صورت میں ظاہر کرتی ہیں۔ اس لیے تاریخ کا مفہوم اقوام کی اجتماعی زندگی کی سرگزشت سے مختلف کوئی چیز نہیں۔ اگرچہ یہ اجتماعیت سے وابستہ ہے لیکن غیر معمولی تخلیقی قوت رکھنے والے انسانوں کی بدولت اس کے عمل میں جست یا زقند بھی پائی جاتی ہے لیکن کبھی اپنے داخلی عمل سے کسی تخلیقی جست کو برآمد کر لیتی ہے۔ اخلاقی اور مابعد الطبیعاتی اعتبار سے اقبال کے ہاں تاریخی عمل میں پاداش عمل تو ہے، رجعت (Regression) یا دائمی تکرار نہیں ہے۔ یہ حال اور استقبال کی پیش رفت ہے۔ زندگی کے نئے امکانات کو منکشف کرتے ہوئے ربط و ارتقاء ایک ایسا عمل ہے جو مسلسل تکمیل کو وجود میں لاتا ہے ۳۹۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شائد

کہ آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکون

بنیادی طور پر اقبال کا نظریہ تاریخ ان کے تصور زمان پر استوار ہے۔ وہ زمانے کو بھی ایک ارتقائی حرکت قرار دیتے ہیں۔ تاریخ زمانے میں ایک تخلیقی حرکت ہے جو محض مرور زمان سے مختلف بلکہ اس پر اضافہ ہے، اگرچہ مرور زمان کائنات میں واقع ہونے والی ہر حرکت کی تہہ میں موجود ہوتا ہے لیکن عالم فطرت میں وقوع پذیر ہونے والی حرکات تاریخ نہیں۔ تاریخ انسانی اعمال سے پیدا ہوتی ہے اور انسانی اعمال نتیجہ ہیں ارادے اور عمل کے ہم آہنگ ہونے کا۔ ارادہ و عمل، تاریخ کو ایک اخلاقی اور باطنی مفہوم دیتے ہیں۔ یہ ارادہ و عمل ہی ہیں جو اقبال کے تصور تاریخ کو ان کے تصور خودی سے مربوط کرتے ہیں۔ قوی الارادہ اشخاص بعض صورتوں میں تاریخ کی تخلیق کرتے ہیں اور تاریخ کے فیصلوں کو متاثر کرتے ہیں ۴۰۔

اقبال کے نزدیک تاریخ میں اسباب و علل کا سلسلہ کارفرما رہتا ہے اس کے باوجود اقبال تاریخ کی حیران کن قوتوں کو اصولاً تسلیم کرتے ہیں اور تاریخ کے علم کو کسی قوم کی اجتماعی خودی کی بقا اور نشوونما کا ایک بہت بڑا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ فکر اقبال کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ فلسفہ تاریخ کو انسان کی جدوجہد کا میدان قرار دیتا ہے اور تاریخ کے زمانی سلسلہ میں مستقبل کی تعمیر اور تخلیق کو قوموں کی تقدیر گردانتا ہے اس جدوجہد اور تقدیر کو اقبال مثالی انسان ''مرد مومن'' کی صورت میں آشکار کرتا ہے اور یہ مثالی انسان وہ ہے جہاں ماضی اور حال یکجا ہوتے ہیں اور محدود اور لامحدود کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں۔ جن سے آفاقی تجربہ پیدا ہوتا ہے اور بنی نوع انسان کے لیے ایک ارفع اور بہتر مستقبل تعمیر ہوتا ہے۔ اقبال عہد آئندہ کا فلاسفر ہے اور انسان کو برابر یاد دلاتا ہے کہ وہ ایک ایسی دنیا میں سرگرم سفر ہے جہاں صرف مستقبل کی تخلیق ہی سے انسان کا وجود آزادی کی نعمت سے ہم کنار ہوسکتا ہے۔ جو قومیں مستقبل کی تخلیق میں یقین نہیں رکھتیں وہ زمانے کے عمل میں کامیاب نہیں ہوسکتیں ۴۱۔

حوالہ جات:

۱۔ شیروانی، اے لطیف، ۱۹۹۵ء، مرتبہ: *speeches, writings and statements of Iqbal*، اقبال اکیڈمی، لاہور، ص ۳

۲۔ اسلم انصاری، ۲۰۰۶ء، تاریخ، نظریہ ،مشمولہ: دائرہ معارف اقبال، شعبہ اقبالیات، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور جلد: ۱، ص ۵۷۰

۳۔ اقبال، محمد، ۱۹۴۰ء، اسرار و رموز (یعنی اسرار خودی، رموز بے خودی، ہر دو یکجا)، اقبال اکیڈمی، لاہور، ص ۱۷۱۔ ۱۷۳

۴۔ افضل، محمد رفیق ۱۹۸۶ء، مرتبہ: گفتار اقبال، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ص ۱۵۳؛ اس اجلاس میں صدر یعنی علامہ اقبال کی طرف سے پیش کردہ جو قرارداد کثرت رائے سے منظور کی گئی وہ یہ تھی ''مسلمانانِ لاہور کا یہ جلسہ ہندوستان کی تمام جدید و قدیم اسلامی درسگاہوں مثلاً مدرسہ عالیہ دیوبند اور سہارنپور و لکھنو وغیرہ کو تاریخ اسلامی کی تعلیم و ترویج کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ اس مقصد

کو حاصل کرنے کے لیے مروجہ نصاب میں ترمیم کی جائے اور اسلامی تاریخ کو مسلمانوں کی تعلیم کا جزو لاینفک قرار دیا جائے''۔ بحوالہ 'گفتار اقبال'، ص ۱۵۴

۵۔ اٹلی کا ایک دولت مند دانشور جسے اسلامی تاریخ سے غیر معمولی دلچسپی تھی، اس نے اسلامی تاریخ کے واقعات کئی جلدوں میں لکھے تھے جو اشاعت پذیر ہوئے اور علمی حلقوں میں پسند کیے گئے۔ ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا۔ (وفیات معارف، مرتبہ: سہیل شفیق، قرطاس ۲۰۱۳ء، کراچی، ص ۱۰۳)

۶۔ افضل، ص ۱۵۴

۷۔ فتح پوری، فرمان، ۱۹۹۹ء، اقبال سب کے لیے، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی ص ۱۲۳

۸۔ اقبال، محمد، ۱۹۶۸ء، *The Reconstruction of Religious thought in Islam*، لاہور، ص ۱۲۷

۹۔ عقیل، معین الدین، ۲۰۰۸ء، اقبال اور جدید دنیائے اسلام، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ص ۹۹

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ الاعراف: ۳۴، نیز یونس: ۴۹، یہ قاعدہ کلیہ قرآن مجید میں مختلف سیاق و سباق میں کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ ابراہیم: ۱۰، سورہ الحجر: ۴۔۵ اور سورہ فاطر: ۴۳۔۴۵

۱۲۔ اسلم انصاری، ص ۵۷۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۷۱

۱۴۔ اقبال، محمد، ۱۹۶۸ء، ص ۸۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۹۔۱۴۰

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۰۔۱۴۱

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ غوری، شبیر احمد خان، اقبالیات، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ص ۱۰

۱۹۔ سراج الدین، سید، ۲۰۰۰ء، مطالعہ اقبال: چند نئے زاویے، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص ۴۶

۲۰۔ ہاشمی، رفیع الدین، ۱۹۷۶ء، مرتب: خطوط اقبال، مکتبہ خیابان ادب، لاہور) ص ۱۱۴؛ اقبال بنام خواجہ حسن نظامی مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء؛ سراج الدین، ص ۷۲۔۱۱۵

۲۱۔ ابن مسکویہ (م ۱۰۳۰) اپنے وقت کا صاحب طرز فلسفی، ادیب اور مورخ تھا۔ یاقوت حموی کے مطابق وہ پہلے مجوسی تھا پھر مسلمان ہو گیا (معجم الادباء، جلد: ۲، ص: ۹۱) تاہم نذیر نیازی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر وہ پہلے مجوسی تھا تو اس کے باپ کا نام اور خود اس کا نام بھی احمد اور محمد کیوں کر ہیں۔ (دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ: مادہ ابن مسکویہ، مقالہ نگار نذیر نیازی) ابن مسکویہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال کیمیاء سازی میں ضائع کیے، نوجوانی میں بنی بویہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ اس نے زمانے کے تمام مروجہ علوم و فنون مثلاً طب، منطق، ریاضیات، طبیعات، الٰہیات، حساب، کیمیاء، فلسفہ اور تاریخ میں کتابیں لکھیں۔ تاریخ میں اس کی اہم کتاب تجارب الامم و تعاقب الھمم ہے۔

۲۲۔ ابن خلدون (م ۱۹ر مارچ ۱۴۰۶ء) ۲۷ر مئی ۱۳۳۲ء میں تیونس میں پیدا ہوا، اس کا تعلق اندلسی مہاجرین کے اس خاندان سے تھا جو

ساتویں صدی ہجری کے وسط میں مسلم اسپین سے ہجرت کر کے تیونس پہنچا تھا۔ اس کا نام ولی الدین عبدالرحمن بن محمد ہے، خلدون اس کے مورث اعلیٰ کا نام ہے جو خالد کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اسپین میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں میں خالد کا شمار ہوتا ہے۔ ابن خلدون اپنا شجرہ نسب حضرموت کے یمنی عربوں سے ملاتا ہے۔ ابن خلدون نے تمام تعلیم تیونس میں حاصل کی جو اس وقت شمالی افریقہ کا بڑا علمی مرکز بن چکا تھا۔ ابن خلدون کی پوری زندگی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں گزری، وہ مختلف اوقات میں مختلف درباروں سے وابستہ رہا۔ درباری سازشوں کا خود بھی شکار رہا اور اپنے مفاد کے لیے حالات سے فائدہ بھی اٹھاتا رہا۔ فلسفہ تاریخ میں ابن خلدون کا مقدمہ شہرہ آفاق ہے جو اس نے ۱۳۷۷ء کے وسط میں، محض پانچ ماہ میں مکمل کیا۔

۲۳۔ اقبال، محمد، ۱۹۶۸ء، ص ۱۳۹

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۴۱

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۲۹۔ ایضاً

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔ ندوی، ۱۹۵۳ء، عبدالسلام، حکمائے اسلام، جلد: ۱، مطبع معارف اعظم گڑھ، ص ۲۳۷

۳۲۔ شبلی نعمانی، ۱۹۸۹ء، مقالات شبلی، مرتبہ: سید سلیمان ندوی، جلد: ۴، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ص ۱۹

۳۳۔ ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی ایرانی دانشور اور عظیم مورخ تھا۔ خوارزم سے تعلق تھا (خوارزم عہد حاضر کے مغربی ازبکستان اور شمالی ترکمانستان کا علاقہ تھا) پیدائش ۴ ستمبر ۹۷۳ء، جب کہ انتقال ۹ دسمبر ۱۰۴۸ء میں پچھتر برس کی عمر میں ہوا۔ اُسے ارضیات، طبیعات، آثار قدیمہ، ہیئت، فلکیات، کیمیا، تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ، ریاضی، طب، نفسیات اور الٰہیات کے موضوعات سے خاص دلچسپی تھی اُس نے ان تمام موضوعات پر کام کیا اور قابل قدر تحریریں چھوڑیں۔ اسے قرن وسطیٰ کے چند عظیم دانشوروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

۳۴۔ عطیہ سید، بیرونی، مشمولہ: دائرہ معارف اقبال، جلد: ۱، ص ۵۲۸

۳۵۔ ایضاً

۳۶۔ Qswald Arnold Gottfried Spengler ایک جرمن مورخ اور فلسفی تھا۔ ریاضی، سائنس اور آرٹ میں اس کی خصوصی دلچسپی تھی۔ ۲۹ مئی ۱۸۸۰ء میں Blankenburg، جرمنی میں پیدا ہوا اور ۸ مئی ۱۹۳۶ء میں ۵۵ سال کی عمر میں میونخ، جرمنی میں انتقال کیا۔ فلسفۂ تاریخ کے حوالے سے اسپنگلر پر ہیگل اور نیطشے کے گہرے اثرات تھے۔ اس کی سب سے اہم تصنیف The Decline of the west(Der Untergangdes Abendlandes) ہے جو ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی۔ جبکہ پہلی جنگ عظیم اپنے خاتمے پر تھی اور جرمنی کو شکست ہو رہی تھی۔ کتاب ۱۹۱۴ء میں مکمل ہو چکی تھی مگر جنگ عظیم کے غیر معمولی واقعات کی وجہ سے اس کی اشاعت میں چار سال لگ گئے۔ بہر حال یہ کتاب اسپنگلر کے لیے بڑی کامیابی تھی۔ ۱۹۱۹ء میں ہونے والے معاہدہ Versailles نے جرمن قوم کو شرمندہ کیا تھا۔ پھر جنگ عظیم کی وجہ سے آنے والی معاشی بدحالی نے اسپنگلر کے نظریات کو درست ثابت کیا۔ اس کتاب سے جرمنوں نے

قدرے اطمینان محسوس کیا کیوں کہ اسپنگلر نے جرمنی کی شکست یا زوال کو وسیع تر عالمی تاریخی تناظر کا حصّہ قرار دیا۔اس کتاب کی شہرت جرمنی سے باہر پہنچی اور صرف ایک سال بعد ہی یہ متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔اس بنیاد پر یونی ورسٹی آف گوٹنجن Gottingen نے اُسے ''پروفیسر آف فلاسفی'' کے عہدے کی پیش کش کی لیکن اپنی تمام تر معاشی پریشانیوں کے باوجود اسپنگلر نے یہ پیش کش مسترد کردی، اس کا کہنا تھا کہ میں زیادہ سے زیادہ توجہ اپنے لکھنے پر دینا چاہتا ہوں۔

۳۷۔ ہیگل Gerog wilhelm Friedrich Hegal اپنے وقت کا مشہور جرمن فلاسفر تھا۔۲۷/اگست ۱۷۷۰ء کو جرمنی میں پیدا ہوا اور اکسٹھ برس کی عمر میں ۱۴/نومبر ۱۸۱۳ء برلن (Kingdom of Prussia) میں انتقال کیا، انیسویں صدی کے فلسفے پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

۳۸۔ کارل مارکس (Karl Marx) نسلاً جرمن تھا۔ پروشیا میں ۱۴/مارچ ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوا۔اس کی شہرت اس کے معاشی اصولوں، سیاسی نظریے اور فلسفے کی وجہ سے ہوئی۔اس نے ہیگل کے فلسفے کا بغور مطالعہ کیا۔اس کی زندگی کا بڑا حصّہ لندن میں گزرا جہاں جرمن دانشور فریڈرک اینجل (Friedrich Engels) کے ساتھ مل کر اس نے تصنیفی کام کیا۔فلسفۂ تاریخ کے حوالے سے اس کا اہم حصّہ ہے۔

۳۹۔ اسلم انصاری، ص ۵۷۲

۴۰۔ ایضاً، ص ۵۸۱

۴۱۔ جیلانی کامران، ۲۰۰۳ء، فکر اقبال اور چند نئے سوال، مشمولہ: 'علامہ اقبال حیات فکر و فن'؛ مرتبہ: سلیم اختر، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۴۵۱

Abstract

The article attempts to highlight the elements forming Allama Iqbal's conception of history. These three are crucial: Quranic conception of history; Muslim historians such as Albairuni andIbn-e Khaldun; conceptions of the Western thinkers particular A Spengler. The writer of the article claims it is the deep study of the history that makes a man a thinker as to what he understands how the social changes occurs in the course of history. Citing relevant reference from the writings of Iqbal which gleaned his conception of history, the article sheds light on the Iqbal's own conception of history.

Keywords: Iqbal's conception of history, Quranic conception of history, Albairuni, Ibn-e Khaldun, A Spengler, elements forming Iqbal's conception of history